OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-0458
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 89-115

برصغیر میں فروغ دین کے لیے سلسلہ فردوسیہ کی تاریخی خدمات

(صوفیائے بہار کا خصوصی مطالعہ)

Historic Services of Silsila Firdawsia for the Preaching of Deen in Sub-Continent

(A Special Study of Sufi scholars of Beha'ar)

Dr. Nadia Alam

Faiz Aalam Research Center Qasoor

Dr. Ali Akbar Al-Azhari

Assoicate Professor of Islamic Studies,

Lahore Garison University, Lahore

Abstract

Beha'ar has been a famous region since ancient times for many historical, political, scientific and religious reasons. Although there is a historical reference of many renowned scholars from different spiritual schools in connection with the propagation of Islam in this region, in introducing Islam and conveying the true Islamic teachings to the people of Beha'ar, the name of the Firdowsia chain comes to the fore. These great Firdowsi scholars made successful and continuous efforts to propagate Islam for a long time. Their selfless efforts and knowledge not only facilitated people to embrace Islam but also enriched them with spiritual and intellectual wealth. Thus soon the region of Beha'ar was filled with the followers of Islam and the results were so prominent, spectacular and lasting that their effects can still be felt today, even many centuries later. This short research paper includes a comprehensive note on the efforts of the three early scholars of the Firdowsia School in the Beha'ar, namely Sheikh Sharafuddin Ahmed

Yahya Munyari, Sheikh Muzaffar Balkhi and Sheikh Nowshah -e-Tawheed Hussain Balkhi and their effects.

Keywords: Beha'ar, Islam, Islam in East India, Firdowsia Scholars, Spiritual.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے سنگلاخ خطے میں اسلام کا نور صوفیائے کرام نے پھیلایا۔ سندھ سے لے کر پنجاب اور کشمیر سے لے کر بنگال تک بہت بڑے بڑے نام ہیں جن کے اسمائے گرامی اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں معروف ہیں۔ مگر مشرقی ہندوستان میں فروغ دین کے کٹھن فریضہ کو نبھانے والے سلسلہ فردوسیہ کے عظیم بزرگان دین کا تذکرہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ ذیل میں ہم خطے کے جلیل القدر صوفیائے عظام کی مساعی کا خصوصی مطالعہ کریں گے۔ ہندوستان کے مشرق میں بنگال اور بہار کے علاقے تاریخی، جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ ان میں بہار (1) کا علاقہ زمانہ قدیم سے ہی اپنی گوناگوں خاصیتوں کی بنا پر معروف رہا ہے۔ اس سرزمین میں ارباب فکر و فن کے ساتھ ایسے اصحاب سیف و قلم بھی پیدا ہوئے جنہوں نے مذہبی، سیاسی، علمی اور فنی شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ بہار میں اسلام کی آمد کے بعد اشاعت اسلام کے سلسلے میں کئی روحانی سلاسل کے بزرگوں کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے۔ مگر اسلام کو متعارف کروانے اور باشندگان بہار تک دین کی حقیقی تعلیمات پہنچانے میں سلسلہ فردوسیہ کا نام خاص طور سامنے آتا ہے۔ سلسلہ عالیہ فردوسیہ کے ان عظیم بزرگوں نے ایک طویل عرصہ تک اشاعت و تبلیغ اسلام کی کامیاب اور مسلسل کاوشیں فرمائیں۔ انہوں نے اپنے علم اور باطنی توجہ سے نہ صرف یہاں کے باشندوں کو ایک خدا کے بارے میں آگاہی عطا فرمائی بلکہ انہیں اسلام کی حقیقی تعلیمات، منشائے الٰہی اور محبت رسول اللہ ﷺ سے بھی بخوبی روشناس کروایا۔ اس سلسلے کے بزرگوں نے جہاں اپنے مریدوں کو روحانی دولت سے مالا مال کیا تو وہیں اپنے معتقدین و متوسلین کو علمی دولت سے بھی سرفراز فرمایا۔ یوں خطہ بہار اللہ کے نام لیواؤں اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں سے معمور ہو گیا۔ اس کے نتائج اتنے نمایاں، شاندار اور دیرپا تھے کہ آج صدیوں بعد بھی ان کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس مختصر تحقیقی مقالہ میں خطہ بہار میں فردوسیہ سلسلہ کے تین اولین بزرگوں یعنی شیخ شرف الدین احمد یحیٰ مُنیَریؒ، شیخ مظفر بلخیؒ اور شیخ نوشہ توحید حسین بلخیؒ کا خصوصاً ان کی علمی، دینی اور دعوتی کاوشوں کا مبارک تذکرہ شامل ہے۔

بہار کا تاریخی و علمی مقام و مرتبہ

کہاجاتا ہے کہ اصل میں بہار کا قدیم نام "ویہارا" تھا جو کثرت استعمال سے "بہار" بن گیا۔[2] تاریخی، سیاسی، علمی اور مذہبی لحاظ سے بہار نہ صرف اسلامی عہد میں بلکہ زمانہ قدیم سے ہی بہت نمایاں رہا ہے۔ ہندوستان کی معلوم تاریخ کو دیکھیں تو اگر اس کی اولین سلطنتوں میں مگدھ سلطنت ہو، نند اسلطنت ہو یا چندر گپت موریہ (۳۲۰ق م-۲۹۸ق م) کی عظیم موریہ سلطنت[3] پھر ان کے بعد سلطنتیں جن میں سونگا سلطنت ہو یا گپتا سلطنت، سب کا دار الخلافہ بہار کا مرکز "پاٹلی پتر"[4] رہا ہے۔ اس لیے یہ بھی کہاجاتا ہے کہ بہار کی تاریخ دراصل ہندوستان کی تاریخ ہے۔ اسلامی دور میں عظیم حکمران فرید خان المعروف شیر شاہ سوری (۱۴۸۶ء-۱۵۴۵ء) نے بھی بہار کو اپنے عہد میں مرکزی حیثیت دی اور پٹنہ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔[5] بہار کو ایشیا کا سب سے اولین مرکز علم قرار دیا جاتا ہے۔ خود بہار کا نام اس کے علم و فضل کو ظاہر کرتا ہے۔ اس بارے میں مولوی سید محمد جواد حسین گیاہوی لکھتے ہیں:

"بہار بزبان سنسکرت دار العلوم می گویند"[6]

(بہار سنسکرت زبان میں دار العلوم کو کہتے ہیں۔)

قدیم مذہب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ہندو مت کی مذہبی کتب "رامائن" اور "مہابھارت" میں بہار کا ذکر آتا ہے۔ جین مت اور بدھ مت کے بانیوں وردھمان مہاویر (۵۹۹ق م-۵۲۷ق م) اور گوتم بدھ (۴۸۰ق م-۴۰۰ق م) کا تعلق اسی خطے سے تھا۔ مجوسی موبدانوں نے بھی ایک عرصے تک پٹنہ کو اپنا علم و دانش کا مرکز بنائے رکھا۔[7] بہار کے قدیم عالموں اور دانشوروں میں آریا بھٹ (۴۷۶ء-۵۵۰ء) جیسا ماہر فلکیات، حکیم بیدبا مصنف "کلیہ و دمنہ" جیسا معلم اخلاق، ہندی منطق کا بانی گوتم رشی اور کوٹلیہ چانکیہ (۳۷۵ق م-۲۸۳ق م) مصنف "ارتھ شاستر" ماہر سیاست دان جیسی شخصیات شامل ہیں۔

بہار میں اسلامی تاریخ کا آغاز بھی نہایت شاندار طریقے سے ہوا۔ الخلیل (بیت المقدس، فلسطین) کے خانوادۂ زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم کی نسل سے ایک بزرگ امام محمد تاج بن ابو بکر فقیہ ؒفلسطین کے شہر الخلیل سے بہار آئے۔ بشارت و حکم نبوی ﷺ کی تعمیل میں ۵۷۶ھ میں انہوں نے تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ بہار کے علاقے مُنیر (Munyar) کے ہندو راجہ کو شکست دے کر اسے فتح کیا اور بہار میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔[8] امام محمد تاج فقیہؒ کے تقریباً ربع صدی بعد ۱۲۰۳ء میں ترک سپہ سالار محمد بن بختیار خلجی (م ۱۲۰۶ء) نے پورے بہار و بنگال کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔[9] "آثارِ مُنیر" کے مطابق جب محمد بن بختیار خلجی بہار میں وارد ہوا تو اس وقت منیر کی

سربراہی حضرت امام محمد تاج فقیہؒ کے پوتے شیخ کمال الدین یحیٰ بن شاہ اسمعیل مُنیری (۵۷۲ھ - ۶۹۰ھ) کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے بصد اصرار اسے بختیار خلجی کو سونپا اور خود گوشۂ عزلت اختیار کر کے یاد الہیٰ میں محو ہو گئے۔[10] شیخ یحیٰ مُنیریؒ کے عظیم فرزند مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ مُنیریؒ نے سلسلہ فردوسیہ میں بیعت کی اور بہار کے خطے کو اسلام کی تعلیمات سے مالامال کر دیا۔ آپؒ کے بعد آپؒ کے مریدین اور خلفائے باصفا نے آپؒ کے اس عظیم دینی مشن کو جاری و ساری رکھا اور اپنی شبانہ روز علمی و روحانی کوششوں سے ہندوستان اور خصوصاً اس کے مشرقی حصے کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کروایا اور مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور رضامندی کی جانب مائل کیا۔

بہار میں سلسلہ فردوسیہ کا آغاز و ارتقاء

فردوسی سلسلہ کے اولین شیخ حضرت ابو نجیب عبدالقاہر سہروردیؒ (متوفی ۵۶۳ھ)[11] ہیں۔ حضرت سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ ان کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م ۶۳۲ھ)[12] کی وجہ سے یہ سلسلہ بہت مشہور ہوا۔ شیخ کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت احمد بن عمر المعروف خواجہ نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۰ھ)[13] بھی تھے، جن کا طریقہ آگے چل کر "طریقہ کبرویہ" کہلایا۔ طریقہ کبرویہ بہت سی شاخوں میں منقسم ہوا۔ اس کی تین شاخیں ہندوستان میں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ مُنیریؒ (۶۶۱ھ - ۷۸۲ھ / -۱۲۶۳ء-۱۳۸۱ء)، حضرت سید علی ہمدانیؒ (۷۱۴ھ -۷۸۶ھ /۱۳۱۴ء-۱۳۸۷ء) اور سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (۷۰۷ھ -۸۲۸ھ) کے بابرکت ناموں سے منسوب ہو کر فردوسیہ، ہمدانیہ اور اشرفیہ کہلائیں اور مقبول و معروف ہو کر پھلی پھولیں۔ یوں فردوسیہ سلسلہ کے منبع کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ کچھ اسے شیخ ابو نجیب عبدالقاہر سہروردیؒ کے حوالے سے "سلسلہ سہروردیہ" کی ذیلی شاخ کہتے ہیں اور کچھ اسے خواجہ نجم الدین کبریٰ کے حوالے سے "طریقہ کبرویہ" کی ایک شاخ قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ شیخ سیف الدین باخرزی (م ۱۲۶۱ء)[14] کے خلیفہ شیخ بدر الدین سمرقندی (م)[15] نے متعارف کروایا۔ یعنی سلسلہ فردوسیہ کا آغاز تو دہلی سے ہوا مگر اس کی نشوونما، وسعت اور عالمگیر شہرت سرزمین بہار کی وجہ سے ہوئی۔

سلسلہ فردوسیہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ شیخ ابو نجیب سہروردیؒ نے جب خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کو خلافت عطا فرمائی تو اس وقت انہیں فرمایا:

"شما مشائخ فردوس ہستید"[16]

"یعنی آپؒ مشائخ فردوس ہیں"یوں اسی وقت سے سلسلہ فردوسیہ کی ابتداء ہو گئی۔

دوسرے قول میں شاہ امین احمد فردوسیؒ نے اپنی تصنیف "گل فردوس" میں فردوسی لقب کو شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کی جانب منسوب کیا ہے:

"حضرت بدرالدین سمرقندیؒ نے سب سے پہلے اپنے مرید و خلیفہ حضرت رکن الدین کو "فردوسی" کا لقب بخشا پھر اس سلسلے کے لوگ "فردوسی" کہلانے لگے۔"(17)

مؤلف "مناقب الاصفیاء" لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے شیخ جن کے نام کے ساتھ فردوسی کا لفظ لگا وہ شیخ رکن الدین فردوسیؒ ہیں۔ ان کے بعد پھر اس سلسلے کے سارے بزرگ پیرانِ فردوس کہلائے اور اس شجرہ کے وابستگان کو ہندوستان میں فردوسی کہا گیا۔ ورنہ انہیں بھی سہروردی یا کبروی کہا جاتا جیسے شیخ ابو نجیب سہروردیؒ یا خواجہ نجم الدین کبریٰ کے متوسلین کو کہا جاتا ہے۔(18)

ہندوستان میں جب اسلام داخل ہوا تو اس کے اثرات جلد ہی مشرقی ہندوستان تک جا پہنچے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا کہ بہار کے علاقے میں کسی مسلمان سالار کی بجائے ایک عالم اور روحانی شخصیت امام تاج فقیہؒ نے اسے فتح کیا تھا۔ بعد میں کئی سلاسل صوفیاؒ نے یہاں کام کیا۔ ان میں سلسلہ قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ اور فردوسیہ اہم ہیں۔ ان کے بعد سلسلہ شطاریہ اور نقشبندیہ کا کچھ ذکر بھی ملتا ہے۔(19) امام تاج فقیہؒ کے پوتے شیخ کمال الدین یحیٰ مُنیَریؒ (م ۶۹۰ھ) جنہوں نے مُنیَر کی زمام حکومت سنبھالے رکھی خود شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ جبکہ ان کے صاحبزادے شیخ شرف الدین احمد یحیٰ مُنیَریؒ نے فردوسیہ سلسلہ میں خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ (م)(20) سے بیعت کی اور پھر بہار واپس تشریف لا کر یہاں فردوسی سلسلے کو فروغ دیا۔ ذیل میں مشائخ بہار کی اہم ترین شخصیات کا ترتیب وار اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

شیخ شرف الدین احمد یحیٰ مُنیَریؒ

محمد تغلق (۷۵۲ھ-۷۹۰ھ) کے عہد میں حضرت شرف الحق والدین احمد یحیٰ مُنیَریؒ (۶۶۱ھ-۷۸۲ھ / ۱۲۹۳ء-۱۳۷۱ء) کے اسمِ گرامی کو شہرہ آفاق حاصل ہوا۔ آپؒ کی وجہ سے نہ صرف مشرقی ہندوستان (یعنی بہار) بلکہ سارے ہندوستان میں فردوسیہ سلسلہ مشہور و معروف ہوا۔ آپؒ کی پیدائش ۲۶-اور بروایت ۲۹-شعبان المعظم ۶۶۱ھ / ۱۲۶۳ء سلطان ناصر الدین محمود بن التمش (۱۲۲۸ء-۱۲۶۶ء) کے زمانے میں پٹنہ کے قصبے مُنیَر(21) میں ہوئی۔ والد کی جانب سے آپؒ کا سلسلہ نسب زبیر بن عبد المطلب سے ملتا ہے۔ آپؒ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ والد گرامی شیخ یحیٰ مُنیَریؒ کی

شادی حسینی سادات کے شیخ شہاب الدین جگجوت سہروردی[22] کی بڑی صاحبزادی رضیہ بی بی سے ہوئی۔ جن سے حضرت احمد یحیٰ منیری سمیت چار بیٹے پیدا ہوئے۔ آپ کے دیگر تین بھائی شیخ جلیل الدین، شیخ خلیل الدین، اور شیخ حبیب الدین تھے۔

آپؒ کا پیدائشی نام احمد اور مشہور لقب شرف الدین تھا۔ آپؒ کی جلالتِ علمی اور اور وسیع ضدمات کی بدولت آپؒ کو سلطان المحققین، قدوۃ العارفین، حجۃ اللہ فی الارض، شیخ الاسلام والمسلمین، مخدوم الملک، مخدوم جہاں، قطب زماں، مرشد الملک، شرف الحق اور شرف الملت جیسے القابات سے نوازا گیا۔ گھر پر ابتدائی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپؒ کو مکتب داخل کروایا گیا۔ آبائی علاقے میں تحصیل علم کے موجود مواقع سے استفادہ کر لیا تو قدرت کی جانب سے آپؒ کو حضرت علامہ اشرف الدین ابوتوامہؒ (م ۷۰۰ھ) جیسا استادِ کامل ملا۔ اصل میں سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ-۶۸۶ھ) کی ایما پر جب علامہ ابوتوامہؒ نے دہلی سے سنار گاؤں[23] میں رہائش اختیار کی تو اسی سفر میں بہار سے گزرتے ہوئے انھوں نے چند روز منیر میں قیام کیا۔ آپؒ اور والد گرامی ابوتوامہؒ کے تبحرِ علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے۔ آپؒ کو ان سے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی تو والد گرامی نے ساتھ روانہ کر دیا۔ پھر آپؒ نے سنار گاؤں میں بائیس (۲۲) سال تک ان سے تمام دینی علوم یعنی کلام پاک، تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام کے علاوہ عقلی علوم مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تکمیل کی۔ وہاں آپؒ کو اپنے اسباق اور دروس کے مطالعہ میں ایسا انہماک رہتا تھا کہ پڑھائی چھوڑ کر دوسرے طلبہ کے ساتھ کھانے کے لیے دستر خوان تک جانا ایک مشکل امر ہوتا۔ مشفق استاد نے جب آپ کے اس انہماک اور دلچسپی کو دیکھا تو آپ پر خصوصی توجہ مرتکز کر دی اور کھانا آپؒ کی خلوت گاہ تک پہنچانے کا انتظام کر دیا۔

آپؒ نے سنار گاؤں میں انتیس (۲۹) سال کی عمر تک استاد گرامی سے نقلی علوم کے علاوہ عقلی علوم مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی تحصیل کی۔ اسی زمانے میں ان علوم کے علاوہ استاد گرامی سے کئی کتب تصوف بھی پڑھیں۔ جس کا ذکر آپؒ نے مکتوبات دوصدی میں کیا ہے۔ اسی دوران حضرت ابوتوامہؒ نے چاہا کہ آپؒ کو دوسرے علوم مثلاً کیمیا و سیمیا وغیرہ بھی سکھائے جائیں، مگر آپؒ نے یہ عرض کر کے استاد سے وہ علوم نہیں سیکھے:

"مرا ہمین علوم دین بسندہ است"[24]

(مجھے صرف علمِ دین ہی کافی ہے۔)

مونس القلوب میں ہے کہ اس پر ابو توامہؒ نے فرمایا: قربان جاؤں آپ کی اس ہمت پر اور پھر انھوں نے اپنے شاگرد رشید کا برکت کے لیے سات بار طواف کیا۔ [25] حصول علم کے دوران استاد صاحب نے ان کو رشتہ دامادی میں لینا چاہا۔ جسے کچھ پس و پیش کے بعد استاد محترم کی دل جوئی کی خاطر منظور کر لیا۔ نکاح کے بعد آپؒ استاد گرامی کے پاس ہی قیام پزیر رہے اور علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل میں مگن رہے۔ پھر جب والد ماجد کی وفات [26] کی اطلاع ملی تو ۶۹۰ھ میں وطن واپسی ہوئی۔ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام پذیر رہے۔ مگر طلب حق نے وطن میں چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور مرشد کی تلاش میں گھر بار چھوڑ دیا۔ تصفیہ قلب، تزکیہ نفس اور تجلیہ روح کے لیے رخت سفر باندھا۔ والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر ۶۹۱ھ / ۱۲۹۱ء میں دہلی آ گئے۔ وہاں اکثر مشائخ وقت کے ہاں حاضری دی مگر بیعت نہ ہوئے۔ [27] خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے بہت متاثر ہوئے، باہم کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی جس سے آپؒ بہت مطمئن ہوئے اور حضرت خواجہؒ سے بیعت کے لیے عرض کی۔ حضرت خواجہؒ نے بہت اعزاز و اکرام فرمایا مگر آپؒ کو بیعت نہیں کیا اور ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

"سیمرغیست نصیب دام مانیست"[28]

(یعنی یہ ایک شاہین بلند پرواز تو ہے لیکن ہمارے جال کے لیے نہیں)

پھر حضرت سلطان المشائخؒ نے آپؒ کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھاری ارادت او رتربیت برادرم نجیب الدینؒ سے متعلق ہے۔ تم ان کے پاس جاؤ، وہ تمہارے منتظر ہیں۔ ساتھ ہی فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ تم کو اس خاندان (سلسلہ چشتیہ) سے صفائی اور سماع مبارک ہو۔ حضرت سلطان المشائخؒ کے فرمان پر آپؒ نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ خواجہ نجیب الدینؒ نے دیکھتے ہی فرمایا:

"درویش آؤ! برسوں سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں تا کہ تمھاری امانت تمھارے سپرد کروں۔"[29]

تربیت دربارِ رسالت مآب ﷺ کا مژدہ: شیخ نے آپؒ سے بیعت لی۔ ساتھ ہی خرقہ، شجرہ اور کچھ نصائح اور وصایا عطا فرمائیں اور رخصت کر دیا۔ پھر فرمایا کہ راستہ میں اگر کوئی بری بھلی بات سنو تو واپس نہ آنا۔ آپؒ نے اپنی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ دن قیام کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت شیخ نے فرمایا:

"من این اجازت نامہ بفرمان حضرت رسالت محمد ﷺ نوشتہ ام۔ نبوت ترا تربیت خواہد کرد"(30)

(میں نے یہ اجازت نامہ تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لکھا ہے، تمھاری مزید تربیت بارگاہِ رسالت ﷺ سے کی جائے گی۔)

"مناقب الاصفیاء" کے مؤلف نے لکھا ہے کہ خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے یہ اجازت نامہ بارہ سال قبل ہی آپؒ کے لیے لکھوا کر رکھا ہوا تھا۔ وطن واپسی پر راستے میں ہی شیخ کے وصال کی خبر سن لی مگر ان کی وصیت کا احترام کرتے ہوئے واپس نہیں لوٹے اور منیر کی طرف سفر جاری رکھا۔ بیعت کے بعد آپؒ کے دل میں عشق الٰہی کا ایسا جذبہ پیدا ہوا جو دن بدن پروان چڑھتا گیا۔ آپؒ اسے مختصر اور بلیغ انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"من چون بخواجہ نجیب الدین فردوسیؒ پیوستم حُزنی در دلِ من نہادہ شد کہ ہر روز آن حُزن زیادہ می شد"(31)

(جب سے میں خواجہ نجیب الدینؒ سے ملا ہوں، دل میں غم کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی ہے کہ جس میں دن بدن اضافہ ہو تا جارہا ہے۔)

بِہار واپسی پر آپؒ نے تقریباً چالیس سال بہیا(32) اور راج گیر(33) کے جنگلوں اور پہاڑوں میں ہی بسر فرمائے۔ ریاضت و خلوت کے اس زمانہ میں آپؒ کھانے پینے سے پرہیز کرتے، اگر کبھی بھوک کا غلبہ ہو تا تو درختوں کے پتے چبا کر بھوک کی شدت کو کم کرتے۔ شیخ مظفر بلخیؒ نے ایک مرتبہ دریافت فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ چالیس سال تک آپؒ نے کچھ نہیں کھایا؟ فرمایا: ایسا نہ کہیں کہ کچھ بھی نہیں کھایا، ہاں! ان چالیس سالوں میں غلہ کی قسم سے کوئی چیز نہیں کھائی، دوران کبھی گھاس، پتے اور کبھی کسی درخت کا پھل کھایا ہے۔(34) اسی دوران بعض طالبانِ حق آکر جنگل میں مستفید ہونے لگے تھے۔

خلوت گزینی کے اس طویل عرصے کے بعد اذنِ الٰہی سے آپؒ نے آبادی کا رخ فرمایا۔ آغاز میں نمازِ جمعہ کے لیے بہار کی جامع مسجد میں تشریف لانے لگے۔ پھر لوگوں کے اصرار پر اسی قصبہ میں رہائش اختیار فرمالی۔ سلطان محمد تغلق اولیاء اللہ کا قدر دان تھا۔ اسے جب آپ کی بزرگی اور درویشی کے بارے میں علم ہوا، تو اس نے بہار کے گورنر مجد الملک کو فرمان جاری کیا کہ وہ آپؒ کے لیے ایک معیاری خانقاہ تعمیر کروائے۔ اخراجات و مصارف کے لیے "راجگیر" کا پرگنہ ان کے حوالے کردے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو زبردستی دے کر آئے۔ آپؒ نے اس جاگیر کو قبول نہیں کیا۔ مگر

مجد الملک نے بہت اصرار کیا۔ بصورتِ دیگر خود پر شاہی عتاب کا خدشہ ظاہر کیا تو بادل نخواستہ یہ جاگیر خانقاہ میں مقیم درویشوں کی خدمت کی نیت سے قبول کر لی۔ مگر ہمیشہ اسے ایک بوجھ کی طرح ہی سمجھتے رہے۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد جب فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو آپؒ نے دہلی جاکر سلطان کو اس جاگیر کی سند واپس کر دی۔ (35)

آپؒ سفید رنگت، سادہ مزاج اور پسندیدہ اطوار کے حامل تھے، قد زیادہ دراز نہ تھا۔ اخلاق خلقِ محمدی ﷺ کا نمونہ تھا۔ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ خلق کی حاجت روائی کا بہت دھیان رہتا۔ دوسروں کو بھی اس کی بہت تاکید فرماتے۔ رسوم کی پابندی کے قائل نہ تھے۔ فرماتے مشائخ کا خرقہ پہنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسوم کے بت توڑ ڈالیں اور عادت کے زنار کو کاٹ دیں۔ کسی کی دل شکنی منظور نہ تھی، کوئی دعوت کرتا، اگر روزہ سے بھی ہوتے تو دل شکنی کے خیال سے دعوت قبول کر لیتے ۔ عجز و فروتنی حد درجہ تھی۔ اظہارِ کرامت سے نفرت تھی۔ فرماتے: عارف کے لیے اظہار کرامت ایک بت ہے۔ اگر کرامت سے دل کو سکون ہو تو حجاب میں آجائے گا۔ کرامات سے خود کو علیحدہ کر لے تو قربت حاصل ہو گی اور حجابات رفع ہو جائیں گے۔ اعلیٰ درجہ کے پابندِ شرع تھے۔ اعزہ و اقربا سے فیاضانہ برتاؤ فرماتے، صلہ رحمی کا بہت دھیان رکھتے۔ معاصرین بزرگوں سے مکتوبات اور تحائف کے ذریعے رابطے میں رہتے۔ مریدین کے ساتھ سلوک بہترین تھا۔ جو جس کا منصب ہوتا ویسے ہی اس کا خیال فرماتے۔ (36)

حضرت مخدوم جہاںؒ کے تین صاحبزادے تھے ۔ جن میں سے دو صغر سنی میں وفات پا گئے۔ صرف مخدوم زکی الدین (پ ٦٨٦-٦٨٧) آپؒ کے ہمراہ منیر آئے تھے۔ (37) شاہ زکی الدین آپؒ کی حیات میں ہی عین جوانی میں ایک بیٹی 'بارکہ' چھوڑ کر وفات پا گئے تھے۔ جسے مخدوم الملک نے ہی پرورش فرمایا۔ بارکہ کا بیاہ سید وحید الدین رضوی (چلہ کش)، خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ سے ہوا، حضرت مخدوم جہاںؒ کی نسل اسی پوتی سے ہی آگے بڑھی۔ (38) آپؒ کی دو صاحبزادیاں بی بی فاطمہ اور بی بی زہرہ تھیں۔ بی بی فاطمہ کی شادی آپؒ کے بھتیجے شاہ اشرف منیری بن خلیل الدین فردوسی سے ہوئی تھی۔ ان سے صاحبان منیر کا سلسلہ نسب ملتا ہے۔ جبکہ بی بی زہرہ کی شادی حضرت شاہ قمر الدین بن مولانا میر شمس الدین مازندرانی سے ہوئی تھی۔ دونوں صاحبزادیوں کے مزارات بڑی درگاہ منیر شریف میں ہیں۔ (39)

منیر میں جمعرات ۶/ شوال ۷۸۲ھ / ۱۳۸۱ء کو ایک سو اکیس سال (۱۱۸ عیسوی سال) کی عمر میں وفات پائی۔ بوقتِ وصال آپؒ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جو صحیح النسب سید، تارکِ دنیا اور حافظِ قرأتِ سبعہ ہو، چنانچہ جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھا گیا، لوگ ایسے شخص کے منتظر ہوئے۔ پھر وہاں سلطان التارکین سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (۷۰۷ھ-۸۲۸) تشریف لائے، جن میں یہ تینوں شرائط موجود تھیں، انھوں نے حضرت مخدومؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔[40] حضرت مخدومؒ کی قبر مبارک کچی تھی اور اس پر کوئی گنبد نہ تھا۔ عہد سوری میں آپؒ کے مزار کے گرد کئی مکانات، مسجد اور فوارہ کی تعمیر کی گئی مگر حضرت مخدومؒ کی اتباع شریعت کے پاس میں مزار مبارک کو اس کی اصل حالت پر ہی رہنے دیا گیا۔[41]

مناقب الاصفیا کے مطابق آپؒ کے مریدین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ جن میں سے چالیس واصل بحق تھے۔ بعض مؤلفین کے نزدیک تین سو مریدین واصل بحق تھے۔[42] کچھ جگہوں پر آپؒ کے تین سو تیرہ خلفا کا ذکر آتا ہے۔ آپؒ کے عزیز ترین مرید و خلیفہ مولانا مظفر بلخیؒ تھے۔ ان کے علاوہ شیخ حسین بلخیؒ، مولانا رکن الدینؒ، شیخ زین الدین عربیؒ اور مولانا نصیر الدین جونپوری جیسے صاحبان علم و فضل آپؒ کے اہم خلفا میں شمار ہوتے ہیں۔ ابو الحسن علی ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت میں آپؒ کے لگ بھگ پچاس نامور مریدین کی فہرست دی ہے۔[43]

تصانیف

آپؒ کی تصانیف کثیر ہیں۔ مگر آپؒ کے مکتوبات زیادہ مشہور ہیں۔ آپؒ کی تصانیف کے مطالعہ سے آپؒ کے تبحر علمی، وسعت اور فکر و نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ علومِ ظاہری کی تقریباً تمام اصناف میں کچھ نہ کچھ تحریر فرمایا ہے۔ آپؒ کو علمائے سلف کی صفِ اول میں جگہ دی گئی ہے۔ شاعر بھی تھے اور مشرؔف تخلص تھا۔[44] کسی دیوان کا علم نہیں البتہ آپؒ کے فالنامے اور دوہے موجود ہیں۔ اکثر مکتوبات میں بلا تکلف و جابجا اشعار کی موجودگی آپؒ کے عمدہ شعری ذوق کی عکاس ہے۔ آپؒ کی زیادہ تر تصانیف ،مکتوبات اور ملفوظات کے جامع مولانا زین بدر عربیؒ (م ۷۸۲ھ) تھے۔ یہ عالم و فقیہ اور آپؒ کے مرید خاص اور کاتب تھے اور ہر وقت آپؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اہل خاندان تو آپؒ کی تقریباً سترہ سو تصانیف کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اب تک صرف درج ذیل کتب کا علم ہو سکا ہے۔

۱-کتب و رسائل: ۱-شرح آداب المریدین ، ۲-ارشاد الطالبین، ۳-ارشاد السالکین، ۴-رسالہ مکیہ وذکرِ فردوسیہ ،۵-فوائد المریدین، ۶-رسالۂ اشارات، ۷-اوراد کلاں، ۸-اورادِ اوسط، ۹-

اورادِ خورد، ۱۰-رسالہ در طلب طالباں، ۱۱-زاد سفر، ۱۲-لطائفِ اشرفی، ۱۳-عقائد اشرفی، ۱۴-رسالہ در ہدائتِ حال، ۱۵-رسالہ وصول الی اللہ، ۱۶-مرآۃ المحققین، ۱۷-رسالہ اجوبہ۔

۲-ملفوظات: مخدومِ جہاںؒ کے ملفوظات کے بہت سے مجموعے ترتیب دیئے گئے ہیں مثلاً:-
۱-معدن المعانی، ۲-خوانِ پر نعمت ۳-راحت القلوب، ۴-مخ المعانی، ۵-مونس المریدین، ۶-گنج لا یفنیٰ، ۷-فوائد الغیبی ۸-معز المعانی، ۹-بحر المعانی (کنز المعانی؟) ۱۰-ملفوظ الصغر، ۱۱-تحفہ غیبی۔

۳-مکتوباتِ منیری: حضرت مخدوم جہانؒ کو فارسی لکھنے میں غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ آپؒ کے مکتوبات کے کئی مجموعے ہیں۔ ان میں "مکتوبات صدی" "مکتوبات دوصدی"، "مکتوبات بست وہشت" اور "مکتوبات سہ صدی" مشہور ہیں۔ مکتوبات کی زبان صاف، نکھری ہوئی اور تصنع اور تکلف سے پاک ہے۔ خالق و مخلوق کا باہمی تعلق اور اخلاقِ انسانی سے متعلق مضامین پر بکثرت تحریر فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر ساڑھے تین سو سے زائد ان مکتوبات کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپؒ کے مکتوب الیہم کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ آپؒ نے اپنے مریدین اور علمائے کرام کے علاوہ کئی اربابِ حکومت کو بھی مکتوبات تحریر فرمائے اور انہیں رعایا سے نیک سلوک اور عدل و انصاف کرنے کی تلقین فرمائی۔

مکتوباتِ صدی: یہ مکتوبات ایک مرید خاص قاضی شمس الدین حاکم چوسہ [45] کے نام ہیں۔ جو اپنی مشغولیت اور فرائض منصبی کی انجام دہی کی وجہ سے آپؒ کی خدمت میں حاضری سے معذور تھے۔ ان کے اصرار پر ان کی تعلیم، اصلاح اور راہنمائی کے لیے یہ خطوط ۷۴۷ھ میں لکھے گئے۔ نام سے ہی ظاہر ہے اس میں سو مکتوب شامل ہیں۔ ان میں آپؒ نے تصوف کے تمام اہم مسائل کو احادیث اور بزرگانِ سلف کی حکایات و ہدایات سے مزین فرمایا ہے۔

مکتوباتِ دوصدی: مکتوباتِ صدی کے ۲۲ سال بعد ۷۶۹ھ میں اس مجموعے کی تکمیل ہوئی۔ [46] اس وقت آپ کی عمر مبارک سو سال سے اوپر تھی۔ یہ مکتوبات مختلف مریدوں، شاہانِ وقت، مختلف امرا اور قضاۃ کے نام لکھے گئے۔ اس وجہ سے بعض مباحث میں توارد و تکرار پیدا ہو گیا ہے۔ [47] مجموعہ میں دو سو آٹھ مکاتیب ہیں۔

مکتوبات سہ صدی: آپؒ کے مکاتیب کا ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانۂ اسلام پنجاب لاہور سے بھی شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ میں مکتوباتِ صدی اور مکتوباتِ دوصدی کے علاوہ مکتوبات ہشت وبست بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

فوائدِ رکنی: یہ مکتوبات اپنے مرید خاص حضرت رکن الدینؒ کے سفر حج کے لیے تحریر فرمائے۔ انھوں نے مخدومِ جہاںؒ سے درخواست کی تھی کہ درویش کے لیے مکتوبات کے ذریعے چند فوائد تحریر فرمادیں تاکہ سفر و حضر میں مونسِ روزگار ثابت ہوں۔ آپؒ نے ان کے لیے چوالیس صفحات پر مشتمل مکاتیب کی صورت میں اٹھارہ فوائد تحریر فرمائے۔ اس میں عشقِ الٰہی، انسانی برتری، تصوف اور صوفیائے کرام کے رموز واشارات پر جامع اوراہم مباحث شامل ہیں۔

مکتوبات جوابی / مکتوبات بست و ہشت: مخدوم الملکؒ نے اپنے عزیز ترین مرید مظفر بلخیؒ کو خلافت دے کرعدن (یمن) بھیجا تھا۔ عرصہ تک آپ مکہ مکرمہ کے مجاور بھی رہے۔ انہیں آپؒ نے دوسو سے زائد مکاتیب لکھے تھے۔ جن میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ میں ترقی وکیفیات کا بیان تھا۔ ان سے شیخ مظفر بلخیؒ کے علوئے استعدادااور ان پر انعامات الٰہیہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ صد افسوس کہ مظفر بلخیؒ کی وصیت کے مطابق یہ مکاتیب ان کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے مگر اس سے قبل اتفاقاً چند مکتوبات پر ان کے خدام کی نظر پڑی تو انہوں ان کو نقل کر لیا تھا۔ یہ کل اٹھائیس مکاتیب تھے۔ جنہیں بعد میں کتابی شکل دے کر شائع کر دیا گیا۔[48] انہیں مکتوبات جوابی کا نام دیا بھی گیا ہے اور تعداد کے لحاظ سے انہیں مکتوبات بست وہشت بھی کہا جاتا ہے۔

مولانا سید مظفر شرف فردوسی بلخیؒ

مشائخ بہار میں مخدوم الملکؒ کے بعد مولانا سید مظفر بلخیؒ جانشین ہوئے۔ یہ ان کے ایسے عزیز القدر اور چہیتے مرید تھے جن کے بارے میں فرمایا:

> ”تن مظفر جان شرف الدین، جان مظفر تن شرف الدین، شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین“[49]

آپؒ کا نام نامی مظفر تھا۔ امام العشاق اور مولانا القاب تھے۔ مولانا کا لقب آپؒ کو دربار رسالت سے عطا ہوا تھا۔ جس کا تذکرہ خود مولانا مظفر بلخیؒ نے اپنے مکتوب (مکتوب ۱۶۵) میں فرمایا ہے۔[50] آپؒ کے والد ماجد سید شمس الدینؒ بلخ کے حکمران اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی اولاد میں سے تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: مظفر بلخی بن سید شمس الدین بن سید علی بن حمید الدین بن سید سراج الدین بن سید سلطان محمود بن سید سلطان ابراہیم ادہم خرد بن سید سلیمان بن سید نصیر الدین بن سید محمد بن سید امیر بن سید یعقوب بن سید احمد بن سید اسحٰق بن سید زید بن سید محمد بن سید قاسم بن سید علی اصغر بن سیدنا امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین۔[51] آپؒ افغانستان کے شمالی علاقے بلخ میں پیدا ہوئے۔

والد گرامی سید شمس الدین سلاطین تغلق (۱۳۲۰ء-۱۴۱۳ء) کے عہد میں ہندوستان آئے اور دربار دہلی سے وابستہ ہوگئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد دل کی کیفیت یوں بدلی کہ پھر سارے جاہ حشم کو چھوڑ کر تارک الدنیا ہوگئے۔ دہلی سے بہار آکر وہاں سکونت اختیار۔ وہاں شیخ احمد چرم پوش بہاری تیغ برہنہؒ (۶۵۸ھ-۶۷۷ھ)(52) سے ملاقات ہوئی تو ان سے بیعت کر کے ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب اہل خانہ کو علم ہوا تو وہ سب بھی مال و متاع چھوڑ کر آپؒ کے پاس آ گئے۔ سید شمس الدینؒ کے تین بیٹے تھے۔ مولانا مظفر بلخی ، شیخ معز الدین اور شیخ قمر الدین۔ بھائیوں میں آپ سب سے بڑے تھے، منجھلے شیخ معزالدین اور شیخ قمرالدین یہ سب سے چھوٹے تھے۔ شیخ مظفر بلخیؒ کا رنگ گورا ،قد دراز اور داڑھی کانوں کی جانب سے ہلکی تھی۔(53)

آپؒ نے علم شریعت میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی۔ مکہ معظمہ میں حضرت شمس الدین خوارزمیؒ سے قرآت قرآن اور شاطبی سیکھی۔ سبع قرآت، صحیحین کی قرآت اور حدیث کی سند حضرت شمس الدین حلوائی سے پائی۔ صحاح ستہ کی سند خطیب عدن سے حاصل کی۔(54) سید شمس الدینؒ نے جب شیخ احمد چرم پوشؒ سے بیعت کی تو ان کے دو چھوٹے صاحبزادوں نے بھی ان کے ساتھ شیخ احمدؒ سے بیعت کر لی۔ مگر مولانا مظفر بلخی کی طبیعت شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری کی طرف مائل تھی۔ والد کی اجازت سے حضرت مخدومؒ سے ملنے گئے۔ مگر اس زمانے میں آپؒ کو اپنے ظاہری علوم میں کمال کا بہت خیال تھا۔ اکثر مشائخ سے بحث میں الجھتے اور "لا نسلم"(ہم تسلیم نہیں کرتے) کی رٹ لگاتے تھے۔ مخدوم الملک کے سامنے بھی اس کا مظاہرہ کیا مگر ان کے تبحر علمی، انداز گفتگو اور رویئے سے شرمندہ ہوئے ، معافی مانگی اور بیعت ہونے کی درخواست کی۔(55)

شیخ احمد یحیٰ منیریؒ نے جب حضرت مظفر بلخیؒ کو بیعت ارادت سے مشرف فرمایا تو انھیں فرمایا کہ مولانا! راہ طریقت کی مشغولی علم کے بغیر نہیں ہوتی۔ اب تک آپ نے جو علم حاصل کیا وہ حبِ جاہ اور نفس پروری کے لیے تھا۔ اب خلوص نیت سے صرف اللہ کے لیے علم پڑھیں۔ تاکہ ترقی سلوک کا سبب بنے۔ شیخ کے حکم پر آپؒ فوراً دہلی گئے اور وہاں پھر سے دو سال خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے علم حاصل کیا۔(56) دوبارہ حاضری پر مخدوم الملکؒ نے حضرت مظفر بلخیؒ کو خانقاہ کے درویشوں کی خدمت پر مامور فرمایا۔ جسے آپ بخوشی بجالائے اور درویشوں کے ہر کام کو دل وجان سے سرانجام دیتے اس اثنا میں جسم پر موجود کپڑے پھٹ گئے۔ جن کو آپؒ گرہیں لگا لگا کر پہنے رہتے۔ اس حالت میں کچھ عرصہ گزرا،

پھر اس کے بعد مخدوم الملکؒ نے آپؒ کی خدمات تبدیل کر دیں۔ اچھا لباس اور اچھا کھانا بھی عطا فرمایا مگر اب یہ حالت ہو چکی تھی کہ آپؒ ان میں سے کسی چیز کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ اکثر یہ شعر زبان پر ہوتا:

"جان آدم چوں بہ سر فقر سوخت هشت جنت را بہ یک گندم فروخت"(57)

(جب آدم کی جان فقر کے راز سے جلی تو انھوں نے ایک دانہ گندم کے بدلے میں آٹھوں جنتیں بیچ ڈالیں)

ایک دن حضرت مظفرؒ اس حالت میں دہلیز پر ہاتھ اونچے کئے ہوئے کھڑے تھے کہ جسم کا گوشت گھل چکا تھا اور جلد ہڈیوں سے چپکی ہوئی تھی۔ مخدوم الملکؒ کی نظر پڑی تو اپنے دوسرے مرید قاضی زاہد کو فرمایا: "دیکھتے ہو یہ 'لا نسلم' کا کہنے والا سلوک کی منازل کیسے جلدی سے طے کر گیا ہے۔" پھر آپؒ پر خاص عنایت فرمائی اور اپنا خلیفہ مقرر فرما کر آپؒ کو اللہ کی مخلوق کی راہنمائی اور خدمت کے لیے عدن / یمن کی جانب روانہ فرما دیا۔(58) آپؒ دنیاوی ساز و سامان کو پاس رکھنا بہت ناپسند فرماتے۔ جب اپنے گھر میں سامان دیکھتے تو لوگوں کو فرماتے لوٹ لو۔ جو سائل بھی آتا جو سامنے موجود ہوتا اسے فرماتے کہ یہ لے لو۔ حتیٰ کہ کبھی شیخ حسین کی کوئی چیز بھی سامنے نظر آتی وہ بھی سائل کو عطا فرما دیتے۔ بعد میں ان کے تلاش کرنے پر فرماتے کہ تم جانتے ہو کہ میں بے دیانت شخص ہوں پھر میرے پاس کوئی چیز کیوں رکھتے ہو۔(59) شیخ کے پاس آئے تو فقر اختیار کر لیا۔ پھر کبھی دو وقت کھانا نہیں کھایا۔ صرف عشا کے بعد روکھی سوکھی جو غذا بھی سامنے لا کر رکھ دی جاتی تناول فرما لیتے۔(60) آپؒ نے پانچ خواتین سے نکاح کیا۔ مگر جیسے ہی کسی بی بی سے محبت ہوتی اللہ کے راستے میں خارج سمجھ کر اسے طلاق دے دیتے۔(61)

مقام و مرتبہ: کہا جاتا ہے کہ شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے ایک لاکھ مرید تھے۔ ان میں سے تین سو حضرات عارفین سے تھے اور صرف تین ایسے بزرگ تھے جنہیں عشق الٰہی عطا ہوا تھا۔ ایک جناب مظفر بلخیؒ، دوسرے ملک زادہ مظفرؒ اور تیسرے مولانا نظام الدین حصاریؒ قدس سرہم۔ ان میں سے بھی حضرت مظفر بلخیؒ کو عشق کی آگ عطا ہوئی تھی اور باقی دو کو اس کا دھواں۔(62) جہاں تک علمی مرتبے کی بات ہے۔ مخدوم الملکؒ نے اپنے مکتوبات میں شیخ مظفرؒ کو امام، مولانا اور شیخ الاسلام لکھ کر مخاطب فرمایا ہے۔ تذکرہ نویسوں نے آپؒ کا ذکر اجلہ شیوخ طریقت، راسخ ترین سالکان صاحب اسرار کے باعظمت القابات کے ساتھ آپؒ کے علوم ظاہری معقولات، منقولات اور تفسیر و حدیث میں تبحر کا بھی بار بار ذکر

کیا ہے۔ خود آپ کے مکتوبات سے بھی آپؒ کی علمی بصیرت بہت نمایاں ہوتی ہے۔ آپؒ کا آخر عمر تک محبوب مشغلہ درس و تدریس خصوصاً صحیحین مبارکہ کا درس رہا۔(63)

مولانا مظفر کی اولاد نہ تھی۔ ایک دن شیخ منیری نے مولانا مظفر بلخیؒ کو بیٹے کی مبارک دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا ہے۔ مولانا مظفرؒ حیران ہوئے اور عرض کی کہ وہ تو اب بیوی ہی نہیں رکھتے(64) تو بیٹا کیسے؟ شیخ نے وضاحت کی کہ آپ کے بھائی معزالدین کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور ان کا بیٹا آپ کا بیٹا ہے۔(65) چنانچہ یہی ہوا۔ حضرت حسین حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کے زیر عاطفت پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔ آپؒ سے ہی مولانا مظفر بلخیؒ کا روحانی سلسلہ جاری رہا اور آپؒ ہی کی وجہ سے بلخی خاندان کے لوگ مولانا مظفر بلخیؒ ہی کی اولاد سمجھے جاتے ہیں۔ آپ اپنے پیر و مرشد شیخ احمد یحیٰ منیریؒ کے وصال سے چھ سال بعد تک بقید حیات رہے۔ آپؒ نے اپنی وفات کے قریب تقریباً بائیس (۲۲) دن کھانا نہ کھایا، نہ کسی سے بات کی۔ وصال کے وقت اپنے پیرانِ عظام کی امامت اپنے برادر زادہ شیخ حسینؒ کو خرقہ خلافت کے ساتھ دی۔ آپ کا وصال عدن یمن میں ۲۷ جمادی الاولی اور براویت ۳ رمضان المبارک ۷۸۸ھ میں ہوا۔ وہیں مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔(66) آپؒ کے خلفاء میں تین کا نام مشہور ہے۔ ۱۔ مخدوم حسین نوشہ توحید بلخیؒ۔ یہ جانشین بنے۔ ۲۔ مولانا قمر الدین بلخیؒ۔ یہ آپؒ کے برادرِ اصغر تھے۔ ۳۔ حضرت جمال الاولیاء اودھی۔(67)

تصانیف

۱۔ مکتوبات: ”مکاتیب مولانا مظفر بلخیؒ“ مکاتیب کا یہ مجموعہ ایک سو اکاسی مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ان میں بھاشا یعنی اردو کے چھ دوہرے بھی شامل ہیں۔(68) کچھ غیر مطبوعہ مکتوبات بھی ملتے ہیں جن کو ملا کر ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) مکتوبات بن جاتے ہیں۔ آپؒ کے مکتوبات میں مخدوم الملکؒ کا ہی رنگ نظر آتا ہے۔ انہی کی مانند قرآن و احادیث سے حوالے، فلسفہ اور علم کلام سے استدلال، تصوف اور روحانیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی حالت کی درستی پر زور بہت نمایاں ہے۔(69) آپؒ کے کئی مکتوبات سلطان غیاث الدین (م ۱۲۰۳ء) اور اس کے وزیر خان ہمایوں دستور کے نام ملتے ہیں۔ جن میں آپؒ نے انہیں اپنے نصائح اور تصوف کے اسرار اور نکات سے آگاہ فرمایا ہے۔ ان مکتوبات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں شیخ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔

۲۔ دیوان: آپؒ شاعری میں اپنا تخلص برہانؔ لکھتے تھے۔ ایک دیوان موجود ہے جو مطبوعہ ہے۔ اسے سید حفیظ الدین احمد بلخی نے مرتب کروا کے شائع کروایا۔

آپ نے مخدوم الملکؒ کی منقبت بھی لکھی ہے۔ آپؒ کی اکثر غزلوں میں عقیدت اور محبت کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔[70]

۳-شرح عقائد نسفی مع عقائد مظفری

۴-رسالہ مظفریہ درھدایت درویشی

نوشہ توحید شیخ حسین بلخیؒ

مولانا مظفر بلخیؒ نے اپنی جانشینی و خلافت شیخ حسینؒ کو عطا فرمائی۔ جنہوں نے سلسلہ فردوسیہ کو بہار میں پروان چڑھایا اور اسے مزید آگے بڑھایا۔ آپؒ کا نام نامی حسینؒ تھا، نوشہ توحید کے لقب سے مشہور تھے۔ اس لقب سے اس لیے معروف ہوئے کہ آپؒ توحید باری تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات میں ہمیشہ گم رہتے تھے۔۔ شیخ بدیع الدین مدار آپؒ کو "سمندرِ توحید" کہتے تھے۔ آپؒ ظفر آباد ضلع جون پور (اترپردیش) میں لگ بھگ ۷۶۰ھ کو پیدا ہوئے۔[71] شیخ حسینؒ کے پیدا ہونے پر حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنا پیراہن روانہ کیا کہ اس کے کپڑے بنا کر نومولود کو پہنائے جائیں اور اپنے رومال سے ایک کلاہ پنجگاہ سلوا کر بھیجا۔ ان تبرکات کو آپؒ نے ہمیشہ اپنے پاس محفوظ رکھا۔[72] ایک روایت کے مطابق آپ کو یہ ٹوپی عمر بھر پوری آتی رہی۔ جب پہنتے تو سر پر پوری ہوتی اور جب اتر کر رکھتے تو چھوٹی سی معلوم ہوتی تھی۔[73] آپؒ کے بچپن میں ایک مرتبہ مولانا مظفر بلخی حضرت مخدومؒ کو وضو کروا رہے تھے۔ آپؒ نے حضرت مخدوم کی دستار مبارک کو سر پر رکھ کر مصلیٰ پر کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرلی۔ مولانا کی نظر پڑی تو ان کو ڈانٹا، حضرت مخدومؒ نے مسکرا کر فرمایا:

"مولانا! کیوں ڈانٹتے ہو، وہ بچہ اپنی جگہ پر پہنچتا ہے۔۔۔ فرمایا کہ ہم تم مشقت اٹھاتے ہیں لیکن ثمرہ میاں حسینؒ ہی پائیں گے۔"[74]

آپؒ نے اوائل عمری میں دہلی میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ ظاہری علم بھی مخدوم الملکؒ اور مولانا مظفر بلخیؒ دونوں سے حاصل کیا۔ آپؒ نے خود مخدوم الملکؒ سے عوارف المعارف سبقاً پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ مولانا مظفر بلخیؒ سے علم حدیث حاصل کیا اور قران اور سبعہ قرآت کا علم مکہ مکرمہ میں جا کر یگانہ روزگار شیخ شمس الدین علویؒ مجاور حرم سے حاصل کیا۔[75] سن شعور کے بعد مسلسل چالیس سال تک آپ مخدوم الملکؒ کی صحبت میں رہے تھے۔[76] انؒ کے بعد وصال تک مولانا مظفر بلخیؒ کی خدمت میں حاضر رہے۔ شیخ حسینؒ حضرت مخدوم الملکؒ کے مرید اور اپنے چچا شیخ مظفر بلخیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپؒ نے سلوک کے حصول کے لیے بعنایتِ ایزدی حجاز کا سفر اختیار کیا۔[77] چار

سال مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد پھر مدینہ منورہ میں سید الکونین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اوراس سعادت سے جو تمام مقاصد کے حصول کی اساس و بنیاد ہے مشرف ہو کر اپنے آبائی وطن واپس تشریف لے آئے۔[78]

بقول شیخ احمد لنگر دریا[79] شیخ حسین نوشہ توحید ؒ کے جیسا جلال و جمال اور عظمت و وقار بہت کم مشائخ اور بزرگوں کے یہاں دیکھنے میں آیا ہے[80] مولانا مظفر بلخیؒ کی وفات تک سفر و حضر میں ساتھ رہتے۔ ان کا سانحہ ارتحال عدن میں ہوا تھا۔ اس وقت بھی شیخ حسینؒ ان کے ساتھ تھے۔ آخری دن بھی حاضر تھے۔ پیر و مرشد نے آپؒ کو اپنی اور اپنے پیر مخدوم الملکؒ کے نصائح و وصائح ارشاد فرمائے اور بہار کی مسند سجادگی پر اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔[81]

رسول اللہ ﷺ کو دورد پاک کا تحفہ اور اس کی قبولیت: شیخ حسین مکہ میں اپنے مرشد مولانا مظفرؒ کے ہمراہ قیام پذیر تھے۔ ان دنوں صحیح بخاری کی سند لے رہے تھے۔ جب ایک حدیث مبارکہ پر پہنچے (جس میں رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدہ جویریہؓ کو چار کلمات بتائے تھے جو زبان پر ہلکے اور میزان پر بھاری ہیں) تو دل میں خیال آیا کہ یہ تسبیحات کثیر المعانی ہیں۔ کیوں نہ ان سے درود ترتیب دوں پھر یہ درود مبارک مرتب فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِكَ وَ رِضَا نَفْسِكَ وَ زِنَةَ عَرْشِكَ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِكَ"

(اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر رحمت نازل فرما، اپنی تمام مخلوقات کی تعداد میں اور اپنی ذات کی خوشنودی کی مقدار میں اور اپنے عرش کے وزن کی مقدار میں اور اپنے کلمات کی مقدار میں)

رات کو مولانا مظفرؒ سرکار مدینہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھتیجے نے میرے پاس ایک ایسا تحفہ بھیجا ہے کہ ایسا تحفہ بہت کم لوگوں نے مجھے بھیجا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ درود پاک خود سنایا۔ مولانا مظفرؒ نے سن کر یاد کر لیا۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا شیخ حسین بھی اب میرے محبوب ہو گئے ہیں۔ یہ حج کا زمانہ تھا اور اطراف اکناف سے قافلے حج کے لیے موجود تھے۔ اس رات تقریباً چالیس لوگوں کو زیارت رسول اللہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مولانا مظفرؒ کے بھتیجے حسین بلخیؒ نے ایک درود ترتیب دیا ہے اور مجھے ہدیہ کیا ہے۔ ان سے لے کر یاد کر لیں۔ صبح وہ سب لوگ مولانا مظفر بلخیؒ کے پاس تشریف لائے اور اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ان سے درود

پاک لیا، یاد کیا اور اپنے ملکوں کو لے گئے۔(82) شیخ حسینؒ بہت خوبصورت تھے۔ شیخ احمد لنگر دریاؒ فرماتے ہیں کہ اپنے جمال و جلال، عظمت اور وقار کی بنا پر ان کی جانب براہ راست دیکھنے کی کسی میں تاب نہ تھی۔ جب ان کی توجہ کسی اور جانب ہوتی یا چہرہ انور نیچے کی جانب جھکا ہوتا تو پھر لوگ انھیں دل بھر کر دیکھتے تھے۔(83) بیعت لینے سے پہلے آپؒ لوگوں کی آزمائش کرتے تھے۔ جب کوئی آپ سے طریقت کے حصول کی غرض سے آتا تو آپ اسے وضو کے لیے کچھ پانی اور کھانے کے لیے روٹی کے ساتھ ذرا سی ترکاری بھیجتے۔ اگر وہ اس مختصر سے پانی سے وضو کر لیتا اور ذرا سی ترکاری سے روٹی کھالیتا تو اسے اپنی خانقاہ میں رہنے دیتے ورنہ رخصت کر دیتے۔(84)

درس و تدریس کا مشغلہ عمر بھر آپؒ کا محبوب رہا۔ آپؒ کے پوتے شیخ احمد لنگر دریاؒ فرماتے ہیں کہ شیخ حسینؒ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عربی کی کچھ تعلیم حاصل کرو تاکہ میری باتیں سمجھ سکو۔ پھر باقی میرا کام ہے۔(85) آپؒ کو سخاوت اپنے مرشد سے ملی تھی۔ امیر، فقیر، کافر یا مسلمان جو سائل بھی آتا، محروم نہ جاتا۔(86) آپؒ کی خدمت میں جن بھی آتے اور آپؒ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ وہ جن شاگرد آپ کے حجرے میں ہی رہائش رکھتے تھے۔(87)

آپؒ کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی بازید پور میں ہوئی تھی۔ ان بی بی سے دو بیٹے ہوئے۔ شاہ سلیمان اور شاہ سیف الدین۔ دوسری شادی چچازاد بی بی عروس(88) بنت شیخ قمر الدین سے ہوئی تھی۔ ان سے شیخ حسن جشن دائمؒ پیدا ہوئے۔ یہ اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔(89) آپؒ کا وصال ۸۴۴ھ کو بروز سہ شنبہ ۲۴-ذی الحجہ کو بہار میں ہوا۔ مزار شریف بہار میں مرجع خلائق ہے۔(90) بوقت وصال صاحبزادہ شیخ حسن نے عرض کی کہ آپؒ کے بعد کس سے مدعا عرض کیا کروں گا تو فرمایا کہ ایک ولی کو جو تصرف دنیا میں عطا ہوتا ہے مرنے کے بعد دس گنا بڑھ جاتا ہے کیونکہ مرنے کے بعد روح جو قالب میں بند ہوتی ہے، آزاد ہو جاتی ہے اور چشم زدن میں مغرب سے مشرق تک پہنچ جاتی ہے۔ تمھیں جو بھی ضرورت درپیش ہو میری جانب توجہ کرنا اور مخدوم جہاںؒ سے عرض کرنا، ان شاءاللہ کام ہو جایا کرے گا۔(91)

تصانیف

آپؒ فارسی و عربی میں یکساں مہارت کے حامل تھے۔ آپؒ نے رشد و ہدایت، درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں مشغولی کے باوجود نظم و نثر میں کافی کچھ لکھا۔ آپؒ کی تصانیف میں درج ذیل کتب کے نام ملتے ہیں۔

۱-حضرات خمس: حضرات خمس کو شیخ حسینؒ کے صاحبزادے و جانشین حسن دائم جشنؒ نے مرتب کیا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب تصوف کے موضوع پر برصغیر میں پہلی عربی کتاب ہے۔ حضرت حسن دائم جشن نے اس کی شرح"کاشف الاسرار" کے نام سے کی تھی۔ اس چند صفحے کے رسالے میں تجلیات باری تعالیٰ کی پانچ صورتیں متعین کر کے ان کی وضاحت کی ہے۔

۲-رسالہ قضاوقدر: یہ مختصر رسالہ پانچ تمہیدوں میں قضاوقدر کے خیر وشر، شر کی خلقت میں حکمت، اختیار عبد اوراس کے افعال، اسرار و حکم اور کے رموز پر مشتمل ہے۔

۳-رسالہ توحید خاص: یہ رسالہ ایک سائل کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔ اس مختصر رسالے میں مسئلہ وحدت الوجود کو طرح طرح کے دلنشین دلائل اور مثالوں سے ثابت کیا ہے۔

۴-رسالہ توحید اخص الخواص: فارسی زبان کا یہ رسالہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں وحدت الوجود کو چھ مستحکم دلیلوں کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ خواص کے لیے لکھا اور خواص ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

۵-رسالہ دربیان ہشت چیز بر اصلاح موحداں: اس رسالہ میں موحدوں کی آٹھ اصطلاحوں ذات، جہت، نفس، صفت، اسمائ، افعال، صوت جامعہ اور صوت متفرقہ کی تشریح کی ہے۔ اس میں صوفیہ اور علماء کے لیے کافی معلومات فراہم کی ہیں۔

۶-اوراد دہ فصلی: چونتیس صفحات کا یہ رسالہ اوراد و وظائف کا مستند اور قابل عمل مجموعہ ہے۔

۷-مثنوی افتخار حسینی: آپؒ کی ایک طویل مثنوی بہ عنوان "مثنوی افتخار حسینی" یا قصہ "چہار درویش" بھی ملتی ہے جو کہ مولانا رومؒ کی "مثنوی معنوی" کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ جس میں خود لکھتے ہیں کہ:

"مقصد من پیروی مولوی　　　　بر طراز او بگویم مثنوی"(92)

(میرا مقصد ہے کہ مولانا رومؒ کی پیروی میں ان کی طرز پر مثنوی کہوں)

۸-ملفوظ گنج لایخفی: مخدوم الملکؒ کے ملفوظات کا مجموعہ اوراسرار و رموز ا سرچشمہ ہے۔ جسے شیخ حسین نے جمع کیا۔ جن مجالس میں آپؒ نے شرکت کی ان کو ۷۵ مجالس میں تقسیم کر کے مخدوم الملکؒ کی زندگی میں ہی مرتب کر کے اس کا نام ملفوظ گنج لایخفی رکھ لیا تھا۔

۹-اجازت نامہ بنام مولانا شیخ حسن

۱۰-دیوان: آپؒ کا شعری ذوق عمدہ تھا۔ اپنا نام حسین تخلص بھی کرتے تھے۔ آپؒ کے پیر و مرشد اور چچا حضرت مولانا مظفر بلخیؒ شعر و سخن میں بھی آپؒ کے استاد تھے۔ دیوان مخدوم حسین میں سینتیس (۳۷) غزلیں، دو مفرد، پانچ قطعے، چار رباعیاں اور تین مختصر مثنویاں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپؒ نے دیوان کے آخر میں حضور نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک بھی لکھا ہے۔ اس دیوان کے اب دو مخطوطے ملتے ہیں۔ ایک نسخہ خانقاہ منیر شریف بہار میں ہے اور دوسرا نسخہ خانقاہ بلخیہ فتوحہ بہار میں۔ تمام اصنافِ سخن غزلوں، رباعی اور مثنوی میں عارفانہ اور صوفیانہ مضامین بیان کیے ہیں۔ آپؒ کی غزلیں دل آویز اور وجد آفرین ہیں۔ ہر غزل میں ایک بے خودی اور سرشاری محسوس ہوتی ہے۔[93]

۱۱-مکتوبات: حضرت شیخ حسین کے مکتوبات میں تصوف و سلوک کے نادر نکتے اور اسرار پائے جاتے ہیں۔ حضرت شرف الدین یحیٰ منیریؒ اور حضرت مظفر بلخی کے مکاتیب کی طرح آپؒ کے مکاتیب بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مکاتیب کو آپؒ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت حسن بلخیؒ (دائم الجشن) نے مرتب کیا ہے۔ اس مجموعہ میں کل ایک سو چون (۱۵۴) مکاتیب ہیں۔ زیادہ تر مکاتیب سوالات کے جواب ہیں اور ہر مکتوب کے آغاز میں موضوع مکتوب اور مکتوب الیہ کا نام درج ہے۔ مکتوب الیہم میں اس عہد کے مشاہیر قضاۃ، آئمہ، مفتی حضرات، علماء فضلاء اور صوفیائے کبار شامل ہیں۔ ان کے علاوہ چند مکاتیب حاکمِ وقت اور امراء کے نام بھی ہیں۔ اخبار الاخیار میں حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ ان مکتوبات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "او را نیز مکتوبات است بہ طرز مکتوبات شیخ بزرگ اعنی شیخ شرف الدین قدس سرہ العزیز۔ مضمون اسرار توحید و باعث بر اختیار تجربہ بہ زبانے لطیف و بیانے عجیب"[94]
>
> (ان کے کچھ مکتوبات بھی ہیں جو ان کے بزرگ شیخ شرف الدین احمد قدس سرہ العزیز کی نہج و طرز پر ہیں۔ جن میں آپؒ نے توحید کے اسرار اور اپنی گوشہ نشینی اختیار کرنے کو بڑی لطیف زبان اور عجیب انداز میں تحریر فرمایا)

آپؒ کے مکاتیب کے مضامین کو پانچ بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

تعلیم و تربیت اور پند و نصائح۔

آیات، روایات، اخبار اور آثار کی تفسیر و تشریح۔

بزرگان سلف کے ابیات و اشعار پر تنقید اور ان کی توضیح۔

مسائل شریعہ کے حکم و مصالح۔

سلوک و تصوف کے اسرار و رموز۔ (95)

حرف آخر

سلسلہ فردوسیہ کا آغاز تو دہلی سے ہوا تاہم اس کی نشوونما، وسعت اور شہرت سرزمین بہار میں ہوئی۔ بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ پھلا پھولا اور پروان چڑھا۔ اس کے جن اولین تین بزرگوں کا تعارف شامل مقالہ ہے، وہ عالم باعمل، فقیہ اور اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ انھوں نے اپنی خانقاہ میں مریدین کی بہترین عملی، علمی اور روحانی تربیت فرمائی۔ ان تینوں بزرگوں نے لوگوں کی نہ صرف بالمشافہ ہدایت اور تربیت فرمائی بلکہ اپنی تصانیف و مکتوبات کے ذریعے اس راہنمائی کو ہندوستان بھر بلکہ اس کے باہر تک پھیلا دیا۔ انھوں نے اپنے نادر علمی مکتوبات کے ذریعے فاصلاتی تعلیم و تربیت کو فروغ دیا۔ خصوصاً مکتوبات شیخ احمد یحی منیریؒ نے تو ان میں سب سے زیادہ شہرت پائی اور کبار صوفیا کے نزدیک تعلیم و تربیت نفس کے ایک دستور العمل کی حیثیت حاصل کر لی۔ آج تک ان مکتوبات کی اہمیت مسلمہ ہے۔

اس عہد میں مکتوبات کو اہم موضوعات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا تھا۔ مکتوبات صرف باہم خیریت، خیالات اور حاجات کے بیان تک ہی محدود تھے۔ مگر آپؒ نے مکتوبات کو مستقل فن اور ذریعہ دعوت و ارشاد بنا دیا۔ جو مضامین مستقل طور پر ایک ایک کتاب میں سموئے جا سکتے تھے انہیں چھوٹے چھوٹے مکتوبات میں لکھ کر عام کر دیا۔ آپؒ کے ان مکتوبات میں دینی، اخلاقی اور صوفیانہ مضامین کے ساتھ ایک خاص ادبی چاشنی موجود ہے۔ ہندوستان میں فارسی نثر نگاری میں مخدوم الملکؒ کا نام سعدی شیرازی کے مقابل لیا جاتا ہے۔ جن سے ان کا روحانی ہی نہیں ادبی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ پھر ان کے اخلاف نے ان کی اس روش کو بہ احسن قائم و دائم رکھا اور خانقاہ میں ہی نہیں اپنی قیمتی تصانیف اور مکتوبات سے بھی سلسلہ فردوسیہ کو مسلسل آگے بڑھایا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی تعلیمات جو کہ تصانیف، ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں موجود ہیں ان کو جدید طرز سے تراجم، حواشی اور تخریج کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے۔ تاکہ ان جواہر پاروں سے قلبی و روحانی، علمی اور ادبی راہنمائی حاصل کی جا سکے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ موجودہ بھارت میں بہار ایک اہم مشرقی اور تیسری بڑی ریاست ہے۔ پٹنہ دار الحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ بہار کے شمال میں نیپال اور باقی تین اطراف میں دیگر بھارتی ریاستیں ہیں۔ مغرب میں اتر پردیش، جنوب میں جھاڑ کھنڈ اور مشرق میں مغربی بنگال واقع ہے۔ ریاست بہار دریائے گنگا کے زرخیز میدانوں پر مشتمل ہے۔

2۔ https://tareekhahlehadees.com/ تاریخ اہل حدیث بہار / محمد تنزیل صدیقی / ۲۰۲۱-۰۴-۰۱

3۔ موریہ سلطنت (۳۲۲ق م-۱۸۵ق م) ہندوستان کی پہلی عظیم الشان سلطنت تھی۔ راجہ چندر گپت کا پوتا راجہ اشوکا جو بعد میں "اشوک اعظم" (۲۶۸ق م – ۲۳۲ق م) کہلایا یہ بھی بہار کا بیٹا تھا۔ 21-12-29/.
www.culturalindia.net/indian-history/ancient-india/ashoka.html

4۔ پاٹلی پتر کا نام بعد میں پٹنہ پڑا۔ علوم وفنون اور تجارت کا اہم کام مرکز رہا ہے۔ قدیم زمانے سے گنجان آباد رہا ہے۔ حتیٰ کہ موریا سلطنت کے دور (تقریباً ۳۰۰ق م) میں اس کی آبادی چار لاکھ لوگوں پر مشتمل تھی۔ (Veena Omalley L.S.S.‹History of Magadha‹Publication, Delhi, 2005, p. 23)
شہزادہ عظیم الشان (پوتا اورنگزیب عالمگیر) گورنر بن کر پٹنہ آیا تو اس نے ۱۷۰۴ء میں پٹنہ کا نام عظیم آباد رکھ دیا تھا۔ مگر پٹنہ زیادہ معروف ہے۔ اب بھی مشرقی بھارت میں کلکتہ کے بعد پٹنہ سب سے بڑا شہر ہے۔ Aditi Nigam, For Bihar, P stands for Patna and prosperity, New Delhi, 2008.

5۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (۱۹۷۱ء) جلد ۵، دانش گاہ پنجاب، لاہور، بہار، ص ۱۱۱

6۔ گیاہوی، سید محمد جواد حسین، تاریخ حسن، مطبع آصفی، کانپور، ۱۹۱۲ھ، ص ۱۴

7۔ الحسینی، محمد تنزیل صدیقی، (۲۰۱۸ء)، دبستان نذیریہ، دار ابی طیب للنشر والتوزیع، ص ۲۷

8۔ منیری، سید محمد مراد (مولانا)، (۱۳۷۶ھ) آثار منیر، مطبوعہ برقی مشین پریس، بانکی پور، ص ۴

9۔ https://tareekhahlehadees.com/ تاریخ اہل حدیث بہار / محمد تنزیل صدیقی / ۲۰۲۱-۰۴-۰۱

10۔ منیری، محمد مراد، آثار منیر، ص ۴-۵۔

11۔ ابو نجیب عبد القاہر البکری الصدّیقی سہروردیؒ (۴۹۰ھ-۵۶۳ھ/ ۱۰۹۴ء-۱۱۶۸ء) لقب ضیاء الدین تھا۔ زنجان کے قریب سہرورد کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ۱۳ واسطوں سے سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ بچپن میں بغداد آ گئے۔ جامعہ نظامیہ بغداد سے تعلیم حاصل کی۔ امام اسعد یمنیؒ، علامہ ابو الحسنؒ، احمد غزالیؒ، امام بیہقیؒ، خطیب بغدادیؒ اور امام قشیریؒ جیسے علماء سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ "آداب المریدین، شرح اسماء الحسنیٰ اور غریب المصابیح" اہم تصانیف ہیں۔ بغداد میں وصال ہوا، وہیں مزار ہے۔: فردوسی، شاہ شعیب (مخدوم)، (دون السنہ)، مناقب الاصفیاء، کلکتہ: مطبع نور الآفاق، ص ۱۸۸-۲۰۰

12۔ شیخ الشیوخ ابو حفص شہاب الدین عمر سہر وردیؒ(۵۳۹ھ-۶۳۲ھ / ۱۱۴۵ء-۱۲۳۴ء) سہر ورد میں پیدا ہونے کے باعث سہر وردی اور بغداد میں سکونت اختیار کرنے کی بنا پر بغدادی کہلائے۔ امام بیہقیؒ، امام قشیریؒ اور خطیب بغدادیؒ سے علم حاصل کیا۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے صحبت کا شرف پایا۔ مدرسہ نظامیہ کے صدر رہے۔ خانقاہی نظام پر معروف و مشہور "عوارف المعارف" لکھی۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ، شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ اور شیخ ضیاء الدین رومی مشہور خلفاء تھے۔ بغداد میں وفات پائی، وہیں مزار ہے۔
سہر وردی، شہاب الدین (شیخ)، (۱۹۷۷ء) عوارف المعارف، مقدمہ و ترجمہ : شمس بریلوی، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ص ۱۰۳-۱۰۷

13۔ احمد بن عمر بن محمّد الخوافی الخیوقی الخوارزمی (۵۴۰ھ-۶۱۰ھ / ۱۱۴۵ء-۱۲۲۱ء) کنیت ابو الجناب تھی۔ بزرگی اور عظمت کی بنا پر شیخ ولی تراش اور سہ سر تراش کہلاتے تھے۔ علمی مناظروں میں ہمیشہ غالب آنے کی وجہ سے "نجم الکبریٰ اور طامۃ الکبریٰ" القاب تھے، بعد میں نجم الدین کبریٰ کہلائے۔ تمام علوم مروجہ و علوم دینیہ کے جامع تھے۔ حضرت ابو نجیب عبد القاہر سہروردیؒ سے خلافت پائی۔ "طریقہ کبرویہ" انہی سے چلا۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ عمار یاسر، شیخ اسماعیل قصریٰ اور شیخ روزبہان بقلی اہم خلفاء تھے۔
" منازل السائرین، فواتح الجمال، منہاج السالکین، دیوان، الخائف الھائم عن لومۃ اللائم، طوالع التنویر، ہدایۃ الطالبین، رِسَالَۃ الطّرق، سر الحدس، طوالع التّنوِیر، عین الْحَیَاۃ فِی تَفْسِیر الْقُرآن "اہم تصانیف ہیں۔ حملہ منگول میں شہادت پائی۔: فردوسی، مناقب الاصفیاءؒ، ص ۲۰۱-۲۳۲

14۔ شیخ ابو المعنی سیف الدین باخرزیؒ (۱۱۹۰ء-۱۲۶۱ء) خراسان میں پیدا ہوئے۔ ہرات اور نیشاپور میں علم حاصل کیا۔ بخارا میں مدرس رہے اور چالیس سال وہاں بسر کئے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے محبوب مرید تھے۔ وہاں لوگوں کو اس طرح درس دیا کہ "شیخ العالم" کے لقب سے نوازے گئے۔ چنگیز خان کے پوتے باتو خان (۱۲۰۵ء-۱۲۵۵ء) نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اکثر بزرگوں کے ملفوظات مثلاً، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیریؒ)، راحت القلوب (ملفوظات بابا فرید گنج شکرؒ) فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) میں آپؒ کا ذکر خیر ہوا ہے۔ بخارا کے مشرقی قصبے فتح آباد میں مزار ہے۔: فردوسی، مناقب الاصفیاءؒ، ص ۲۳۶-۲۴۶

15۔ خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ (۶۱۳ھ-۷۱۶ھ) سلسلۂ فردوسیہ کے سب سے پہلے بزرگ، جو ہندوستان تشریف لائے۔ نہایت وجیہہ،، خوب سیرت اور دانشمند تھے۔ حافظ اور ممتاز عالم دین تھے۔ کشف و کرامات کے اظہار کے سخت خلاف تھے۔ اپنے مریدین کو ہمیشہ دینی علوم کی ترغیب و تاکید فرماتے۔ (تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۱۱۵-۱۱۶) سماع کا بہت ذوق تھا۔ حضرت نظام ادین اولیاءؒ کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ سنگولہ میں وفات پائی۔
کرمانی، امیر خورد سید، (م ۷۱۱ھ)، (۱۹۹۶ء)، سیر الاولیاء، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ص ۷۵۵

16۔ دردائی،، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۵۴

17۔ دردائی،، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۵۴

18۔ فردوسی، مناقب الاصفیاٗ، ص ۲۵۳

19۔ شاکر خلیق (ڈاکٹر)، (۱۹۹۳ء) حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ناشر: ڈاکٹر شکر خلیق، پٹنہ۔

20۔ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ (متوفی ۷۳۳ھ) شیخ رکن الدین فردوسیؒ کے علاتی بھائی اور خلیفہ تھے۔ آپؒ کے والد ماجد شیخ عماد الدین فردوسیؒ نے دوسرا نکاح سید امیر خورد کی صاحبزادی سے کیا، جن سے شیخ نجیب الدینؒ تولد ہوئے۔ بچپن میں ہی والد نے آپؒ کو تعلیم اور تربیت کے لیے اپنے منجھلے بیٹے شیخ رکن الدینؒ کے حوالے کر دیا تھا۔ جنہوں نے آپؒ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ شیخ نجیبؒ نے گمنامی میں زندگی بسر فرمائی، بہت ہی کم لوگوں کو مرید فرمایا۔ ۱۲۱ سال کی طویل عمر پائی۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۱۲۸-۱۲۹۔

21۔ صوبہ بہار کا قدیم قصبہ منیر پٹنہ سے اٹھائیس کلو میٹر مغرب کی جانب دریائے گنگا اور دریائے سون کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ بہار میں اسلام کا اولین مفتوحہ علاقہ تھا۔

22۔ شہاب الدین جگجوت سہروردیؒ کاشغر کی حکومت چھوڑ کر فقر اختیار کیا تھا۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدین میں سے تھے زہد و ورع اور استقامت میں بلند پایہ تھے اور اسی وجہ سے آپؒ جگ جوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۱۳۹

23۔ سنار گاؤں مشرقی بنگال کا دار الخلافہ تھا، ہندوستان میں اس وقت کی اسلامی سلطنت کا آخری سرحدی شہر تھا۔ اب بنگلہ دیش میں شامل ہے اور ایک مختصر سا قصبہ رہ گیا ہے۔

24۔ فردوسی، مناقب الاصفیاٗ، ص ۱۳۱-۱۳۲

25۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، ص ۳۷۶

26۔ حضرت مخدومؒ کے والد حضرت یحییٰؒ کا وصال ۱۱-شعبان ۶۹۰ھ ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ہوا تھا۔ منیری، مکتوبات صدی، ص ۱۸

27۔ فردوسی، مناقب الاصفیاٗ، ص ۱۳۲

28۔ ایضاً

29۔ عبدالرحمٰن، صباح الدین، سید، تذکرہ اولیائے کرام، دارالمصنفین شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ، س ن، ص ۲۶۰

30۔ فردوسی، مناقب الاصفیاٗ، ص ۱۳۲-۱۳۳

31۔ فردوسی، مناقب الاصفیاٗ، ص ۱۳۳

32۔ بہیا کا جنگل منیر سے تقریباً بیس میل دور مغرب کی جانب ضلع شاہ آباد میں ہے۔

33۔ راجگیر کا اصل نام "راج گری" یعنی بادشاہوں کی رہائش گاہ تھا۔ قدیم ریاست مگدھ کا پایہ تخت رہا تھا، اجات شترو کا دار الحکومت اور جین مت کی تبلیغ کا مرکز بھی رہا۔ گوتم بدھ نے اپنے آخری ایام یہیں گزارے۔ بدھ مت کی تاریخی پہلی کونسل یہیں منعقد ہوئی۔ یہ علاقہ ہر ملت و فرقہ کے لوگوں کا گوشہ عزلت رہا ہے۔ اس میں گرم پانی

کے کئی چشمے موجود ہیں جن میں سے ایک آپؒ کے رہنے کے سبب "مخدوم کنڈ" کے نام سے مشہور ہوا۔ دامنِ کوہ کے اس گرم جھرنے اور تالاب سے متصل آپؒ کا حجرہ اب بھی موجود ہے۔(تاریخ دعوت و عزیمت، ۳/۱۹۸)راج گیر اب پٹنہ کے ضلع نالندا میں شامل ہے۔

34۔ فردوسی، شیخ احمد لنگر دریا، (۲۰۱۰ء)مونس القلوب، مترجم: ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، بہار (نالندہ): مکتبۂ الشرف، ص ۸۷

35۔ فردوسی، مناقب الاصفیاؒ، ص ۲۷۰

36۔ صبیح الحق، ذکر الشرف، ص ۱۰-۱۳

37۔ صبیح الحق، ذکر الشرف، ص ۶

38۔ ابدالی، شاہ طیب (ڈاکٹر)، (۲۰۰۳ء)تذکرہ مشائخ بہار، خانقاہ صوفیہ، نالندہ (بہار)؛ ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، لکھنؤ: مجلس تحقیقات نشریات اسلام، ۳/۲۳۷

39۔ منیری، محمد مراد، آثار منیر، ص ۱۶

40۔ منیری، مکتوبات صدی، ص ۲۰

41۔ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۳/۲۳۷

42۔ فردوسی، ، مناقب الاصفیاؒ، ص ۱۳۹

43۔ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۳/۲۳۸-۲۳۹

44۔ ۲۸-۱۱-۲۰۱۸ مہتاب جہاں / منیر کی چھوٹی بڑی درگاہوں کی تاریخی اہمیت / قومی اردو کونسل برائے اردو زبان ncpulblog.blogpost.com

45۔ چوسہ نامی قصبہ منیر سے بیس میل دور جانب مغرب صوبہ بہار کے معروف شہر پٹنہ کے ضلع شاہ آباد میں واقع تھا۔ حضرت مخدوم کے عہد میں یہ ایک مرکزی و معروف مقام تھا۔ مگر اب ایک غیر معروف گاؤں رہ گیا ہے۔

46۔ سہروردی، شہاب الدین (شیخ)، (۱۹۷۷ء)عوارف المعارف، مقدمہ و ترجمہ: شمس بریلوی، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ص ۹۸

47۔ محمد اکرام، شیخ، (۱۹۸۸ء)، آبِ کوثر، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع سیز دہم، ص ۴۳۹

48۔ منیری، مکتوباتِ صدی، ص ۳۰

49۔ منیری، مکتوباتِ صدی، ص ۳۰

50۔ ابدالی، تذکرہ مشائخ بہار، ص ۲۱۷

51۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۴۹

52۔ مخدوم سید احمد چرم پوشؒ(۶۵۷ھ-۷۷۶ھ)سید موسیٰ ہمدانیؒ کے بیٹے اور حضرت پیر شہاب الدین جگجوتؒ کے نواسے تھے۔ والدہ کا نام بی بی حبیبہ تھا۔ مخدوم الملکؒ کے خالہ زاد تھے۔ حضرت علاء الدین سہروردیؒ سے بیعت

کی۔ فارسی میں اچھے شعر کہتے۔ احمدؔ تخلص تھا۔ بہار کے محلہ انبیر میں مدفون ہیں۔ رضوی، محمد طلحہ، سید، سجادہ نشینان بہار (مشائخ سخن پرداز)، چاپ اول، رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۱۳۹۳ھ، ص ۱۲۰

53۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، مجلس ۷۸، ص ۴۲۴

54۔ ابدالی، تذکرہ مشائخ بہار، ص ۲۱۸

55۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۵۱

56۔ فردوسی، مناقب الاصفیا، ص ۲۹۵

57۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۵۳

58۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۵۳

59۔ فردوسی،، مناقب الاصفیا، ص ۲۹۷

60۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۶۱

61۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، ص ۴۲۵

62۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۵۳

63۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۸۱

64۔ فردوسی، احمد لنگر دریا، مونس القلوب، طبع اول، مرتب: قاضی شہ بن خطاب بہاری، مترجم: ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، مکتبہ شرف، نالندہ بہار، ۱۴۳۱ھ، ص ۳۸

65۔ رضوی،، سجادہ نشینان بہار، ص ۱۴۴

66۔ فردوسی، مناقب الاصفیا، ص ۳۰۰

67۔ ابدالی، تذکرہ مشائخ بہار، ص ۲۲۶

68۔ ابدالی، تذکرہ مشائخ بہار، ص ۲۲۵

69۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۶۷

70۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۷۴

71۔ شاکر خلیق (ڈاکٹر)، (۱۹۹۳ء) حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ناشر: ڈاکٹر شکر خلیق، پٹنہ، ص ۳۴

72۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، ص ۴۲۶

73۔ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ص ۳۵

74۔ محمد معین الدین، مجلس صوفیہ، ص ۱۶۰

75۔ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ص ۳۶

76۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۹۷

77۔ رضوی، سجادہ نشینان بیھار، ص ۱۴۵

78۔ دہلوی، عبد الحق، اخبار الاخیار، ص ۳۱۳

79۔ شیخ احمد بلخی فردوسی مقلب بہ لنگر دریا(م ۱۴۸۶ء) شیخ حسین کے پوتے اور انکے بیٹے اور جانشین شیخ حسن دائم بلخی فردوسی (م ۱۴۵۱ء) کے صاحبزادے تھے۔ ان کے ملفوظات کو مونس القلوب کے نام سے ان کے مرید قاضی شہ بن خطاب بہاریؒ نے جمع کیا تھا۔ دیکھیں: فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب

80۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، ص ۲۹۴

81۔ فردوسی، مناقب الاصفیا، ص ۳۰۱

82۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، مجلس ۲۵، ص ۱۵۳

83۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، مجلس ۳۳، ص ۱۸۲

84۔ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ص ۴۸

85۔ شیخ احمد لنگر دریا، مونس القلوب، مجلس ۲۴، ص ۱۳۹

86۔ دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۸۷

87۔ فردوسی، لنگر دریا، مونس القلوب، مجلس ۴۸، ص ۲۵۶

88۔ بی بی عروسؒ ہمیشہ باوضو رہتیں، چاشت، اشراق اور تہجد کبھی قضا نہ ہوتے، خواتین کی تربیت فرماتی تھیں۔ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات وکارنامے، ص ۵۰

89۔ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ص ۵۰

90۔ رضوی،، سجادہ نشینان بیھار، ص ۱۴۶؛ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ص ۵۴

91۔ شاکر خلیق، حسین نوشہ توحید بلخیؒ حیات اور کارنامے، ص ۵۳

92۔ رضوی، سجادہ نشینان بیھار، ص ۱۴۶

93۔ رضوی، سجادہ نشینان بیھار، ص ۱۴۸

94۔ دہلوی، عبد الحق، اخبار الاخیار، ص ۳۱۴

95۔ شیخ حسین کی تصانیف کی تفصیلات کے لیے دیکھیں: دردائی، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۲۹۰-۳۱۳